اقبال اسد

یزداں کی اک نشانی

حضرت اسیر شریعت عالم باعمل اور صوفی رمز شناس تھے۔ ہزاروں افراد نے ان کے دست مبارک پر بیعت کی اور اپنے نفس کی اصلاح کا اہتمام کیا۔ ان کی زندگی کے اس پہلو پر بہت کم حضرات کی نظر گئی ہے۔ اصلاح باطن میں انہیں کمال حاصل تھا۔ اس سلسلہ میں حضرت شاہ جی کو شاہ عبدالقادر رائے پوری رحمہ اللہ سے فیض تھا۔ جادۂ تصوف کے راہرو اس حقیقت سے خوب واقف ہیں کہ اس جہان میں حضرت رائے پوری کی نسبت سے بلامبالغہ لاکھوں طالبان صادق نے روحانی منازل طے کیں "رائے پور" کی خانقاہ سے برسوں تصوف کا نورانی چشمہ رواں دواں رہا۔ یہ خانقاہ منازل سلوک میں اپنے وقت کی سب سے بڑی تربیت گاہ رہی ہے۔

آنکس ست اہل بشارت کہ اشارت داند
نکتہا ست بسی محرم اسرار کجا است

شاہ جی نے پیری اور سجادگی کی دکان کبھی نہ سجائی۔ پیری مریدی کو کاروبار کا درجہ نہ دیا۔ ان کی غیرت مند طبیعت کبھی کسی مرید سے ایک پائی کی روادار نہ ہوئی۔ ان کے ارادت مندوں نے بھولے سے بھی کبھی ان کی پیشوائی و لولیائی کا ڈھونڈرہ نہیں پیٹا۔ شاہ جی ولئ اویس اور گلہم بوذر کے امین تھے۔ انہوں نے بادلوں کا کفن نہیں بیچا اور آباء کی قبروں کی اینٹوں کو فروخت نہیں کیا۔ کیونکہ وہ دھن دولت کے بندے نہ تھے۔ وہ تو بطل حریت تھے۔ انہوں نے ولوئ سیاست کے خارزار کی عمر بھر جادہ پیمائی کی۔ اپنے عقیدت مندوں کو بھی ساتھ لے کر چلے۔ انہوں نے مریدوں کے ہاتھ میں تسبیح کے بجائے کلہاڑی پکڑائی۔ غلامی کی زنجیروں سے نبرد آزما رہے۔ وہ قافلہ احرار کے سرخیل تھے۔ تو چودھری افضل حق مرحوم دماغ، مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی سالار میسنہ تھے تو قاضی احسان احمد سالار میسرہ۔ شاہ جی کے رفقاء کار میں شیخ حسام الدین، تاج الدین انصاری، مولانا مظہر علی اظہر اور شورش کاشمیری ابھی زندہ ہیں۔ یہ حضرات کسی بھی سٹیج سے تقریر کریں۔ مگر ان کی تقاریر احراری خطابت کی دھندلی یادیں تازہ کر دیتی ہیں۔

جنوں تو کہہ ہی دیتا ہے بات ساری
خرد نے سوچ کر تعریف کی ہے

مجلس احرار اسلام کے سیاسی نظریئے سے اختلاف ہوسکتا ہے لیکن تحریک آزادی میں جو ان کا حصہ ہے اس سے انکار کرنا تاریخ پر ستم توڑنا ہے۔ "احرار" کو کانگریس کا پٹھو کہنا دھاندلی ہے۔ جبکہ ۱۹۳۱ء میں احرار کانگریس سے الگ ہوگئے تھے۔ کانگریس سے علیحدگی چودھری افضل حق مرحوم کے نظریات کی بناء پر ہوئی تھی۔ اور یہ بات بیانگ دہل کہی جاسکتی ہے کہ چودھری صاحب مرحوم کانگریس کو ہندو امپریلزم کا ایجنٹ خیال کرتے تھے اور ان کی درویشانہ سرشت میں ہندو سرمایہ داری کے خلاف سخت نفرت موجود تھی۔ چوہدری

صاحب کو ان کے ناقد احرار کا "مارکس" کہتے ہیں۔ یہ قطعی غلط ہے کہ میرے نزدیک ان کا ذہن توحید و رسالت میں سے حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ کے نزدیک تھا۔ چودھری صاحب کو جاگیرداری اور سرمایہ داری سے بغض کی حد تک چڑ تھی۔ ان کا نظریہ حیات اس شعر کے قریب قریب ہے۔

دولت ہو جس نظام میں انسانیت کا نام
دنیا کا وہ نظام بدلنے کی فکر ہے

یہ ایک تاریخی المیہ ہے کہ اسلام پر دل و جان سے قربان ہونے کا جذبہ رکھتے ہوئے بھی "مجلس احرار" تحریک پاکستان میں شامل نہ ہوئی اس کی واحد وجہ جو تاریخی تجزیہ کے بعد مجھے نظر آئی ہے وہ مسلم لیگ میں نوابوں کی موجودگی تھی۔ دوسرے پنجاب کے جاگیرداروں کو "احراری دماغ" نے ہمیشہ بخیل اور کوتاہ فکر گردانا۔ بہرحال یہ دوسرا المیہ ہے کہ ایک فعال جماعت نے تحریک پاکستان کی مخالفت کر کے اپنے تابوت میں آخری کیل ٹھونک لی۔ بہرحال ذکر تھا شاہ جی کا تو وہ بقول عبدالحمید عدم یزداں کی نشانی اور احرار کی جوانی تھے۔ شعر سن لیجئے

تو آدمی نہیں یزداں کی اک نشانی ہے
تیرے بڑھاپے میں احرار کی جوانی ہے

آخری ایام میں شاہ جی کا حلیہ کچھ اس طرح تھا۔ درمیانہ قد، دہرا جسم، گندمی رنگ، چہرے پر بھری بھری سفید داڑھی، سر پر پٹھے، اُن پر اوڑھی ہوئی انوار کیپ، کشادہ پیشانی، بھرا ہوا روشن کتابی چہرہ، عقابی آنکھیں جن میں غیرت اور خودداری کی کرنیں پھوٹا کرتی تھیں۔ طبیعت میں جلال و جمال کا حسین امتزاج تھا۔

قلندرانہ ادائیں
سکندرانہ جلال

آواز میں شیرینی سے بڑھ کر جادو، تلاوت قرآن پاک کے وقت ان کے گلے سے [illegible] دل سوز آواز نکلتی تھی کہ سامعین جھوم جھوم جاتے تھے۔ دیہاتی سامعین کو کبھی کبھار ہیر وارث شاہ کے جادو بھرے اشعار سنا کر موہ لیتے تھے۔ تقریر فرماتے تھے تو مجمع پر سناٹا چھا جاتا۔ موافق مخالف واہ واہ کے ڈونگرے برساتے اور مسحور ہو جاتے۔ ان کی شعلہ نوائی سے پنجاب کے دریاؤں میں بارہا تموج آیا۔ جمنا اور گومتی بھی کناروں سے باہر ہو گئے۔ منبر سے ان کی گونج سنائی دی۔ سٹیج سے انہوں نے للکارا۔ ہمالیہ کی چوٹیاں دہل گئیں۔ انگریز کا تخت ڈانواڈول ہوا۔ قادیانی نبوت لرز گئی۔ چالیس برس تک ان کی پاٹ دار آواز نے تہلکہ مچائے رکھا۔ مگر آخری ایام میں ان کی مجبوری اور لاچاری کا یہ عالم تھا کہ گویائی کے لئے ہلکی سی چنگاری کے محتاج تھے۔ نشتر میڈیکل کالج ملتان میں ان کی بے زبانی اور کرب دیکھ کر رونا آتا ہے کہ ہائے یہ وہ خطیب آتش نوا ہے کہ جس کی شعلہ نوائی اور آتش بیانی خرمن استعمار پر بجلی بن کر گرا کرتی تھی۔ ان کی آخری جھلک دیکھ کر راقم الحروف کے ذہن میں ان کے ہم وطن شاعر حضرت شاد عظیم آبادی کی غزل کا یہ مطلع یاد آگیا تھا۔ یہ شعر گویا جناب شاد نے پیر بخاری کے لئے کہا تھا۔

ڈھونڈو گے اگر ملکوں ملکوں ملنے کے نہیں نایاب ہیں ہم
تعبیر ہے جس کی حسرت و غم اے "ہم نفسو" وہ خواب ہیں ہم

آپ کی پرورش کچھ ایسے ماحول میں ہوئی کہ مذہبی مطالعہ کے ساتھ ساتھ آپ کو اعلیٰ درجے کا ادبی ذوق بھی میسر آیا۔ آپکا بچپن شاد عظیم آبادی کے عروج کا زمانہ تھا۔ شاہ جی نے اپنے بچپن میں شاد کی آنکھیں دیکھی تھیں۔ اسی لئے تو شعر و شاعری کا ذوق ان کی فطرت ثانیہ بن گیا تھا۔ انہیں فارسی اور اردو اساتذہ کے ہزاروں اشعار یاد تھے۔ مولانا روم، حافظ شیرازی، عمر خیام، مرزا غالب اور ڈاکٹر اقبال ان کے محبوب شعراء تھے۔ شاہ جی خود بھی شعر کہتے تھے۔ ان کا تخلص ندیم تھا۔ ان کا مجموعہ کلام سواطع الالہام کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ بقیہ کلام میں شعری بانکپن کی جھلک نظر آتی ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ ان کی زندگی میں شاعری کو اضافی حیثیت حاصل تھی۔ ان کا اصل میدان خطابت تھا۔

قلم را آں زباں بنود کہ سر عشق گوید باز!
بیروں از حد تقریر است شرح آرزو مندی

انہوں نے اردو کی عوامی خطابت کو عمر بھر چار چاند لگائے ہیں۔ وہ اس میدان کے اتنے بڑے شہ سوار تھے کہ ان کے ہم عصروں میں کوئی ان کا حریف نہ تھا۔ خطابت کے میدان میں اردو نے آج تک اتنا بڑا خطیب پیدا نہیں کیا۔ شاہ جی کی سیاسی زندگی اور خطابت کا آغاز ۱۹۲۰ء کے ہنگامہ خیز دور میں ہوا۔ انکی شخصیت کے حسن و رعب اور شعلہ نوائی نے برصغیر پاک و ہند میں آگ لگا دی انہوں نے اپنی اچھوتی طرز خطابت سے اس وقت اپنا لوہا منوایا جب مولانا ابوالکلام آزاد کی خطابت کا طوطی بول رہا تھا۔ جب مولانا محمد علی جوہر کی خطابت کی دھوم مچی ہوئی تھی۔ تحریک خلافت کا زمانہ تھا۔ آپ کی آتش بیانی سے مسلمان قوم بیدار ہوئی۔ ورنہ پوری کی پوری قوم ماضی کی شاندار روایات کے تصور میں گم تھی۔ یا حال کی شکست اور پس ماندگی میں مبتلا ان کی شعلہ بیانی محض ان کی ذات کی نمود نہ تھی۔ ان کی تقریر میں شاعرانہ دلفریبیاں بھی ہوتی تھیں اور ناصحانہ نکات بھی عبرت کی داستان کے ساتھ ساتھ لطیفے اور چٹکلے بھی بیان ہوا کرتے تھے۔ تقریر میں محاوروں کی پابندی اور عام فہم مثالیں اس طرح بیان فرماتے گویا انگوٹھی میں نگینے جڑ رہے ہوں۔ وہ گھنٹوں بے تکان بولنے کے عادی تھے۔ ان کے سامعین بارش میں بھیگنا گوارہ کر لیتے تھے۔ لیکن تقریر چھوڑ کر نہ جاتے تھے۔ تقریر کی طوالت کبھی سامعین کی تھکاوٹ کا باعث نہ ہوئی۔ ان کی گفتار میں جادو کی کیفیت اور سحر کا عالم ہوتا تھا۔ ان کے بدترین مخالف بھی ان کی تقریر کی گلریزیاں اور آتش بیانیاں سنتے پائے گئے ہیں بلکہ مخالفوں کو سر دھنتے دیکھا ہے۔ سی آئی ڈی والے لکھتے لکھتے اکتا جاتے ان کی انگلیاں تھک جاتیں۔ اخبار نویس ان کی گرما گرم تقریر کی رپورٹنگ سے عمر بھر عاجز رہے۔ شاہ جی ایک منٹ میں ایک سو سے زیادہ الفاظ بولنے پر قادر تھے۔ ان کی خطابت کے چرچے برصغیر پاک و ہند کے گوشے گوشے میں رہے ہیں۔ اپنی مصروفیات زندگی کو انہوں نے ایک موقعہ پر یوں فرمایا:

"زندگی ہی کیا ہے تین چوتھائی ریل میں کٹ گئی۔ ایک چوتھائی جیل میں جتنے دنوں جیل سے باہر رہا

لوگ گلے کا ہار بنتے رہے۔ آج کلکتہ کل لاہور، لاہور سے پشاور، پشاور سے کراچی، سال کے تین سو پینسٹھ دنوں میں ۳۶۶ تقریریں کی ہوں گی۔ میں نے تقریر کی لوگوں نے کہا "واہ شاہ جی واہ" میں قید ہو گیا۔ لوگوں نے کہا "آہ شاہ جی آہ" اور "واہ اور آہ" میں ہم ہو گئے تباہ"

گزر گیا کہ درماندہ راہ یہ کہتا
اب اس فضا میں کوئی قافلہ نہ ٹھہرایئے

انجمن خدام الدین لاہور کے ۱۹۳۰ء کے تاریخی اجلاس (جس میں ہندوستان بھر کے جید علماء شریک تھے) کی صدارت شیخ الاسلام حضرت مولانا انور شاہ کاشمیری نے فرمائی تھی۔ مولانا انور شاہ کا رتبہ علمائے دیوبند میں اور اس سے باہر بھی بہت بلند تھا۔ ہر مکتب خیال کے علماء ان کا احترام کرتے تھے۔ مولانا انور شاہ کے پائے کا محدث ان کی وفات کے بعد بلاد ہند میں پیدا نہیں ہوا۔ اس کے علاوہ حضرت انور شاہ پہلوی (قدیم فارسی) کے بہت بڑے عالم تھے۔ علامہ اقبال نے جب ایران کا سفر کیا تو وہاں زرتشی مذہب کے پیروکاروں نے ان سے اپنی قدیم کتاب "پاژند" کے سلیس فارسی ترجمہ کی درخواست کی۔ حضرت علامہ نے جواباً کہا کہ اس کا ترجمہ مجھ سے تو ممکن نہیں البتہ میرے ملک میں ایک ہستی ایسی ہے جو اس کام کو بحسن خوبی سرانجام دے سکتی ہے۔ زرتشیوں نے ایک لاکھ ایرانی سکے کی پیش کش کی۔ حضرت علامہ نے ہندوستان لوٹ کر حضرت انور شاہ صاحب سے ذکر کیا۔ حضرت انور شاہ صاحب نے جانتے ہو کیا کہا "لاکھ روپے کے بدلے میں کفر کی اشاعت کیوں کروں۔ انور شاہ اسلام کے لئے پیدا ہوا ہے۔ اشاعت کفر کے لئے نہیں" بات کہاں سے کہاں پہنچ گئی۔ ذکر تھا۔ انور شاہ صاحب کی صدارت کا سید عطاء اللہ شاہ بخاری تقریر کے لئے کھڑے ہوئے ایسے لولوئے لالہ بکھیرے کہ مجمع کا مجمع جھوم گیا۔ تقریر دلپذیر کے اختتام پر مولانا انور شاہ نے کھڑے ہو کر اعلان فرمایا۔ "عطاء اللہ شاہ بخاری صحیح معنوں میں امیر شریعت کہلانے کے مستحق ہیں۔" اتنا فرمایا اور اپنا ہاتھ بیعت کے لئے بڑھا دیا۔ شاہ جی پر تو رقت طاری ہو گئی اور عرض کیا نہیں مجھے اپنے ہاتھ پر بیعت ہونے کی اجازت دیں۔ مگر انور شاہ صاحب نے اپنا ہاتھ شاہ جی کے ہاتھ میں دے دیا بس پھر کیا تھا پورا مجمع حضرت امیر شریعت کے نعروں سے گونج گیا۔

نصرت قریشی

رخصت ہوئے دنیا سے بخاری کے جلو میں
اندازِ بیاں، سحر بیاں، لذت گفتار
نصرت! پئے تاریخ یہ ہاتف نے ندا دی
اب ختم ہوئی رونقِ ہنگامہ احرار

۱۹۶۱ء